حوصلہ بخش اور سادہ مزاج استاذ

مولانا بدرالاسلام قاسمی صاحب
استاذ جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند

مؤرخہ ۷؍نومبر ۲۰۱۹ء بروز جمعرات صبح تقریباً آٹھ بجے جناب مولانا نسیم اختر شاہ قیصر (استاذ دارالعلوم وقف دیوبند) کا ایک میسیج آیا کہ جناب مولانا غلام نبی کشمیری استاذ دارالعلوم وقف دیوبند کا انتقال ہوگیا ہے، راقم الحروف اس وقت جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کے ششماہی امتحان میں نگرانی کے فرائض انجام دے رہا تھا، یہ میسیج پڑھتے ہی قلب و دماغ پر سکتہ طاری ہوگیا، اُسی وقت ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا، اور اپنے احباب و متعلقین کو اس حادثۂ فاجعہ کی اطلاع دی۔ پورے دن وابستگانِ مادر علمی رابطے میں رہے اور حضرت مولانا کے جنازے کی تفصیلات وغیرہ معلوم کرتے رہے۔ بعد نماز عشاء متصلاً احاطۂ مولسری میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور ہزاروں نمناک آنکھوں کے سامنے مولانا کو سپردِ خاک کردیا گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

مولانا سے شاگردانہ تعلق

راقم السطور ۲۰۰۷ء میں مادر علمی دارالعلوم وقف میں عربی ششم کا طالب علم تھا، ہماری دو کتابیں حضرت مولانا غلام نبی کشمیریؒ سے متعلق تھیں، الفوز الکبیر اور دیوانِ متنبّی۔ یوں تو مولانا کے علم و بیان، تحریر وتقریر کی صلاحیتوں کے چرچے کافی سنے تھے، ان کی سادگی وتواضع کی مثال دیتے ہوئے لوگوں کو بارہا دیکھا تھا، لیکن اب ان تمام اُمور کے

مشاہدے کا وقت تھا۔ جیسا مولانا کے بارے میں سنا تھا اُس سے بڑھ کر پایا، مولانا نہایت سادگی پسند اور متواضعانہ مزاج کے حامل تھے، طلبہ کے درمیان نہ تو کوئی امتیاز انھیں بھاتا اور نہ ہی اپنے ساتھ روایتی ہجوم لے کر چلنے کے عادی۔ مذکورہ دونوں کتابیں مولانا نے نہایت عمدگی کے ساتھ پڑھائیں، دیوانِ متنبی پڑھاتے وقت وہ فارسی اور اردو کے اشعار بھی بطور استشہاد و استدلال پیش کرتے، ساتھ ہی ساتھ اپنے پُرلطف بذلہ سنج مزاج کی وجہ سے طلبہ کو ہمہ تن گوش رکھنا ان کے لیے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا، اور یقیناً ایک مدرّس کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ ان کی ہر ہر بات بغور سنی جائے اور ذہن کے نقوش پر مرتسم ہو جائے۔

آئندہ سال عربی ہفتم میں اُن سے دو گھنٹیاں متعلق تھیں، ایک ہدایہ ثالث کی، جب کہ دوسری بیضاوی شریف کی جو ششماہی امتحان تک پڑھائی جاتی تھی، اس کے بعد سالانہ تک نخبۃ الفکر کا درس ہوتا تھا۔ بخوبی ذہن پر یہ نقوش ثبت ہیں کہ حضرت مولانا پہلے دن جب پڑھانے کے لیے تشریف لائے تو وہی سادہ انداز، متواضعانہ چال۔ نہایت مشفقانہ اور پیارے لہجے میں انھوں نے بیضاوی شریف کے لیے تمہیدی گفتگو شروع کی، وہ ابتدائی تقریر تھی، تقریر کیا تھی بس اردو کی حسین و دلکش تعبیرات کا ایک سیل رواں تھا جو مسلسل بہہ رہا تھا، ہم تمام طلبہ ہمہ تن گوش تھے، ان کی نہایت فصیح و بلیغ، استعارات و تشبیہات سے لبریز، قرآن و حدیث کے حوالوں اور درمیان میں برمحل اشعار سے پُر یہ تقریر جاری تھی کہ اچانک اگلا گھنٹہ بجا، ایسا لگا کہ ہم کسی خواب سے بیدار ہوئے، کسی نے ہمیں بیچ نیند میں زبردستی بیدار کیا، گھنٹے کی وہ آواز ہمیں بڑی کرخت معلوم ہوئی، کیوں کہ ہم سب مولانا کی اس لاجواب اور پُرتسلسل گفتگو سے مزید لطف اندوز ہونا چاہتے تھے۔

یہی انداز پورے سال باقی رہا، بالخصوص بیضاوی شریف کے گھنٹے میں مولانا نہ صرف یہ کہ علامہ بیضاوی کی نہایت پیچیدہ و دقیق عبارتوں کو حل کرتے، ساتھ ہی ساتھ تفسیر کے بہت ہی باریک نکتوں پر تنبیہ کرتے ہوئے چلتے۔ حاضر جوابی کا یہ عالم تھا کہ دورانِ درس شاید ہی کبھی ایسا ہوا ہو کہ مولانا نے کسی سوال کا جواب نہ دیا ہو، وہ سوالات سے خوش

ہوتے، نیز یہ بھی ان کی خصوصیت تھی کہ ہم ان سے کسی بھی موضوع سے متعلق سوال کر سکتے تھے۔ انھیں وجوہات کی بنا پر اُن کے گھنٹے کا ہمیں خوب انتظار رہتا، اور جب مولانا پڑھانا شروع کرتے تو وقت کا کچھ اندازہ ہی نہیں ہو پاتا تھا۔

چوں کہ استاذ محترم کو اردو، فارسی، عربی کے علاوہ انگلش پر بھی کافی عبور تھا، اس لیے حالات حاضرہ پر بھی ان کی گہری نظر رہتی۔ سیاسی، معاشی اور ملکی و بیرونی مسائل پر بھی کبھی کبھار انگریزی اخبار کا حوالہ دیتے اور طلبہ کو مفید معلومات بہم پہنچاتے۔

آئندہ سال یعنی دورۂ حدیث کے سال حضرت مولانا کے علوم سے استفادہ کا موقع دارالعلوم زکریا دیوبند کے طلبہ کو میسر آیا، تاہم اس کے اگلے ہی سال مولانا پھر دارالعلوم وقف واپس آ گئے اور اس کے بعد افادہ واستفادہ کا یہ سلسلہ جماعت در جماعت، نسل در نسل چلتا رہا۔

خندہ پیشانی و شکرانِ نعمت

استاذ محترم کے تعلق سے ہمیں کبھی کبھی معلوم ہوتا کہ معاشی تنگی اور دیگر مسائل نے انھیں چہار جانب سے جکڑ رکھا ہے، لیکن مولانا کے چہرے پر ہمیں کبھی غم کے آثار نظر نہیں آتے، وہ جس سے ملتے بڑی ہی خندہ پیشانی سے ملتے، کبھی بھی اُن کی زبان سے ہم نے معاشی تنگی یا گھریلو مسائل کا ذکر تک نہیں سنا۔

چناں چہ اخیر عمر میں جب مولانا کو کینسر جیسی مہلک بیماری کی تشخیص ہوئی، تو بھی اُن کے چہرے پر غم و پریشانی کے آثار نہ تھے، وہی مسکراہٹ، وہی لب ولہجہ اور وہی شکرانِ نعمت۔ خدا جانے اتنا حوصلہ و ہمت وہ کیسے جٹا پاتے تھے۔

حکیم الامتؒ کی کتابوں سے والہانہ تعلق

عام طور پر حضرت مولانا کوئی بھی بات بلا حوالہ کہنے کے عادی نہ تھے، تفسیر، حدیث، فقہ و فتاویٰ اور منطق و فلسفے کی بہت سی کتابوں کا حوالہ دیتے، لیکن جس مصنّف سے انھیں سب سے زیادہ تعلق تھا وہ تھے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ۔ تقریباً ہر تیسرے چوتھے سوال کے جواب میں وہ حکیم الامت ہی کے کسی قول کو نقل فرماتے۔ ان کی کتابوں اور ملفوظات کے مطالعہ کی ہمیں مسلسل ترغیب دیتے۔

خوردنوازی وحوصلہ افزائی

راقم السطور کو جب جامعہ امام محمد انور شاہ میں تدریسی خدمت کا موقع ملا تو بندہ حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا تا کہ اس تعلق سے کچھ قیمتی نصیحتوں سے نوازیں۔ مولانا راقم کے تقرر پر بہت خوش ہوئے اور اپنے نکتہ آفریں مزاج کے تحت فوراً فرمایا: تمھیں تو یہ خدمت کرنی ہی چاہیے، کیوں کہ تم ''صالح'' ہو صالحیت کے اعتبار سے بھی اور صلاحیت کے اعتبار سے بھی۔ میرا ماننا یہ ہے کہ جو صالح فقط صالحیت کے اعتبار سے ہو اسے تبلیغی جماعت میں خدمت کرنی چاہیے، اور جو صالح فقط صلاحیت کے اعتبار سے ہو اسے جماعت اسلامی میں چلا جانا چاہیے، لیکن جس کے اندر یہ دونوں صفتیں پائی جائیں اُسے دیو بند میں رہ کر درس وتدریس کی خدمت ضرور انجام دینی چاہیے۔ (یہ راقم سے متعلق مولانا کا فقط حسنِ ظن تھا، ورنہ ''کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل'' البتہ اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ استاذ محترم کے ان جملوں کے صدقے میں ان صفات سے نواز دے۔ آمین)

مضمون نگاری پر قیمتی مشورے

جامعہ امام محمد انور شاہ کی تدریس سے وابستہ ہونے کے بعد احقر کی کچھ قلمی کاوشیں ماہ نامہ ''محدثِ عصر'' میں شائع ہوئیں، جن پر حضرت مولانا نے احقر کی خوب حوصلہ افزائی کی، گھر پر بلا کر مضمون نگاری کے تعلق سے نہایت قیمتی باتوں کی جانب رہنمائی کی، کچھ مفید کتب کی جانب بھی اشارہ کیا۔

طلبہ کو کچھ قیمتیں نصیحتیں

طلبہ دورۂ حدیث دارالعلوم وقف دیو بند کا ایک معمول تھا کہ وہ اخیر سال میں ڈائری شائع کرتے تھے، جس میں حضرات اساتذہ کی نہایت قیمتی نصیحتیں، اُن کی اسانید، علمی و تحقیقی معلومات اور تمام شرکائے دورۂ حدیث کے نام و پتے ہوتے تھے۔ یہ ایک مفید سلسلہ تھا جس کی قدر طلبۂ دورۂ حدیث ہی سمجھ سکتے ہیں۔ استاذ محترم حضرت مولانا غلام نبی کشمیری علیہ الرحمہ نے طلبہ کو جو گراں قدر نصیحتیں کیں اُن کے کچھ نمونے ملاحظہ فرمائیں:

''اس دستاویز میں جن عزیزوں کے نام شامل ہیں وہ اس معنی کر فارغ التحصیل کہلائیں گے کہ انھوں نے حصولِ علم کی رسمی مدّت پوری کی ہے، مگر اس معنی کر طالب علم کبھی فارغ نہیں ہوتا ہے کہ وہ راہ علم کے مسافر اب بھی ہیں، اس لیے انھیں ''دورۂ حدیث'' سے فراغت پر اپنے اس علمی سفر کو موقوف نہ کرنا چاہیے، بلکہ مطالعہ و کتب بینی کے ذریعہ اپنے علم میں اضافہ کے لیے برابر کوشاں رہنا چاہیے۔'' (قاسمی ڈائری ۲۰۰۶ء)

''حدیث میں ''علم'' سے مراد وہ علم ہے جو اشاعتِ اسلام اور خدمت دین کا ذریعہ ہے، جو علم حصولِ دنیا، حصولِ شہرت، یا کسی اور غرض فاسدہ کے تحت حاصل کیا گیا، وہ عنداللہ مفید نہیں، اور نہ ہی اس پر وہ نتیجہ مرتب ہوگا جو دین کی خدمت و اشاعت کی غرض سیکھے جانے والے علم پر مرتب ہوتا ہے۔

عالموں کی صفت میں جگہ پانے، بیوقوفوں سے جھگڑنے اور لوگوں کے دلوں کو اپنی قابلیت جتلانے کے لیے متوجہ کرنے کی غرض سے جو علم سیکھا جائے گا وہ قابلِ مواخدہ ہے اور مواخذہ درحقیقت آخرت ہی کا ہے، دنیا میں تو آدمی جھوٹ اور مکاری سے بسا اوقات سزا سے بچ نکلتا ہے اور سزا ملتی بھی ہے تو آخرت کے مقابلے میں عشرِ عشیر بھی نہیں۔'' (فروغِ سحر ۲۰۰۵ء)

مولانا کا ایک یادگار انٹرویو

دارالعلوم وقف میں داخلہ کے بعد راقم الحروف نے ایک دیواری پرچہ بنام ''صدائے دارالعلوم وقف'' شروع کیا تھا، اس پندرہ روزہ کا اختصاص یہ تھا کہ اس میں ہر شمارے میں ادارے کے کسی استاذ یا ذمہ دار کا انٹرویو شائع ہوتا تھا، ہمارا کام تھا طلبہ کے مسائل، شکوے یا سوالات اُن کے سامنے پیش کرنا، اس حوالے بندہ کو عجیب و غریب تجربات ہوئے۔ اسی سلسلے کو لے کر ایک مرتبہ استاذ محترم حضرت مولانا غلام نبی کشمیری علیہ الرحمہ کی خدمت میں بھی حاضری ہوئی۔ آج سے تقریباً ۱۲ر سال پہلے لیا گیا یہ انٹرویو لفظ بلفظ پیش خدمت ہے:

سوال: حضرت الاستاذ! آپ کا شمار دارالعلوم وقف کے قدیم ترین اساتذہ میں ہوتا ہے، براہِ کرم اپنی سن فراغت سے مطلع فرمائیں، نیز کہ بتانے کی زحمت کریں کہ آپ تدریسی خدمات کب سے انجام دے رہے ہیں؟

جواب: ''قدیم ترین'' تو نہیں، ''قدیم'' خدمت گزار کہنا صحیح ہوگا۔ ۱۹۸۴ء میں میری فراغت ہے اور ۱۹۸۵ء سے تدریسی خدمت انجام دے رہا ہوں لگ بھگ بائیس سال ہونے کو ہیں۔

سوال: ماہنامہ ''ندائے دارالعلوم'' کی ادارت کے لیے آپ کا انتخاب ہوا ہے، اس لیے ہم آپ سے یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اس رسالے میں طلبہ کے مضامین کے لیے کوئی گنجائش ہے یا نہیں؟

جواب: ''ندائے دارالعلوم'' میں آپ حضرات کی نگارشات کو اوّلیت دی جائے گی اور مناسب راہنمائی بھی، آپ حضرات لکھئے اور دفتر میں پہنچایئے۔

سوال: طلبہ کے درمیان آپ کا درس نہایت مقبولیت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ کی گھنٹی کا بے صبری سے انتظار کیا جاتا ہے، مگر ''ماہنامے'' کی ذمّے داریاں اور دیگر ضروری مصروفیات دامن گیر رہتی ہیں، جن کی بنا پر آپ کو پابندی کرنے میں نہایت ہی پریشانیوں اور دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، کیا آپ کے ذہن میں تطبیق کی کوئی ایسی صورت ہے کہ جس سے تدریسی سلسلہ بھی بحسن خوبی چلتا رہے اور دیگر ذمّے داریاں بھی پوری ہوتی رہیں؟

جواب: خاکسار کی تدریس سے متعلق آپ حضرات کا ''حسن ظن'' خاکسار کی حوصلہ افزائی ہے، نوازش، عنایت اور دلی شکریہ۔ اسباق کی پابندی نہ ہوسکنے کا احساس اُسی شدت سے کر رہا ہوں، جس سے آپ حضرات کو ہے۔ دراصل ادھر چند برسوں سے اپنی روز افزوں گرتی صحت کو لے کر کافی پریشان ہوں، کوشش بھرپور ہوتی ہے کہ اپنی ذمّے داریوں کو دیانت کے ساتھ ادا کروں، مگر خرابئ صحت رکاوٹ بنتی ہے، بظاہر آپ کو ٹھیک نظر آتا ہوں، آپ حضرات سے بولتا بھی ہوں اور ہنستا ہنساتا بھی، مگر محض آپ کی خاطر، ورنہ

حالات ایسے نہیں ہوتے۔ دوجداگانہ مصروفیات میں تطبیق آپ کی دعاؤں سے پیدا ہوگی، تاہم حتی المقدور کوشش کروں گا کہ اپنی ذمّے داریاں صحیح انداز میں ادا کروں اور آپ کے وقت کو ضائع نہ ہونے دوں۔

سوال: علوم عصریہ بالخصوص انگریزی میں آپ کی گہری نظر کا اندازہ آپ کی درسی تقریر سے ہوتا ہے، کیا آپ علوم عصریہ کے حوالے سے طلبہ کو کوئی پیغام دینا چاہیں گے؟

جواب: ''علوم عصریہ'' سے بقدر ضرورت واقفیت از حد ضروری ہے۔ آپ کو اس بات کا احساس ہو جانا اس امر کی ایک محکم علامت ہے۔ آپ اس سلسلے میں اپنے طور پر کچھ پیش رفت ضرور کریں گے۔

سوال: اردو صحافت موجودہ دور میں کس اہمیت کی حامل ہے، یہ آپ زیادہ بہتر جانتے ہیں، کیا آپ ہمیں اس تعلق سے کوئی ایسا مشورہ دینا پسند کریں گے جو انشا پردازی کے سفر میں ہمارے لیے مشعلِ راہ ثابت ہو؟

جواب: آخر خارجی مطالعہ، کتب بینی اور جہاں بینی بھی تو ایک مستقل مضمون ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس مضمون کو بڑی سنجیدگی، متانت، فکرمندی اور شعور کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ اردو صحافت کا ہندوپاک کے مذہبی، سیاسی، سماجی، علمی اور فکری رجحانات کی آبیاری میں بڑا رول ہے، خوب پڑھئے یہاں تک کہ آپ کا مطالعہ ابلنے اور آپ کی معلومات بولنے لگیں پھر کاغذ و قلم تھام لیجیے۔ کسی صاحب قلم سے (خاکسار کو چھوڑ کر) اصلاح بھی لیجیے۔ انشاءاللہ آپ بہترین صحافی، اور بلند پایہ ادیب بن جائیں گے۔

چند نکات و جواہر

استاذ محترم دورانِ درس نہایت قیمتی باتوں سے نوازتے تھے، جن کے چند نمونے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

عوام کا اعتراض

آج یہ عوام مدارس پر اپنا حق جتلاتے ہوئے کہتی ہے کہ ماضی کی طرح مصلح الامت اور حکیم الامت کیوں پیدا نہیں ہو رہے ہیں؟

جواب بھی بالکل سیدھا سا ہے کہ جیسا بوؤ گے ویسا ہی کاٹو گے، پہلے کے لوگ ہمیں سونا دیا کرتے تھے، اب لوہا دے رہے ہیں، آج عوام کا ذہن یہ ہے کہ جو بچہ کچھ ذہین وفتین ہوگا، پڑھنے لکھنے کی کچھ سدھ بدھ اس میں ہوگی تو فوراً بلا تأمل اسے انگلش میڈیم اسکول میں بھیج دیں گے۔ اس کے برخلاف جو بچہ بالکل ہی ڈَل، غبی اور کند ذہن ہوگا، نیز ضدی اور اکھڑ مزاج بھی، تو اسے فوراً مدرسہ کے لیے وقف کر دیں گے۔ اس کی بالکل تازہ مثال ذاکر نائک ہے، یہ ذہین تھا، اگر اسے ہمارے سپرد کیا ہوتا تو یہ آج ڈاکٹر ذاکر نائک نہ ہو کر ہم اسے غزالی بنا دیتے۔ یہ ہے آج ہماری قوم کا انتہائی افسوسناک جذبہ۔

لیکن یہ بھی اللہ کا کرم اور احسان ہے کہ وہ اسی کباڑ اور مٹی کو سونا بنا دیتا ہے، اسی کی کرم فرمائی اور نکتہ نوازی ہے، ورنہ عوام کے نظریے اور بگڑی ہوئی ذہنیت کے مطابق علماء کا قحط پڑ جانا چاہیے تھا۔

شیخ الادبؒ کا دلچسپ اور سبق آموز واقعہ

ایک مرتبہ شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ امتحان لینے کی غرض سے جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی گئے۔ جامعہ ہی میں دینیات کا ایک شعبہ ہے، اس شعبے کے پروفیسر یعنی ماہر دینیات کی ترتیب کردہ ایک کتاب شامل نصاب بھی تھی۔ وہ کتاب شیخ الادبؒ نے دیکھی۔ کتاب میں آیت کریمہ ''لیلۃ القدر خیر من اَلف شہر'' کا ترجمہ کچھ یوں مکتوب تھا ''لیلۃ القدر ایک ہزار راتوں سے بہتر ہے''۔ شیخ الادب رحمۃ اللہ علیہ نے برجستہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کو کچھ اس طرح تبدیل کر کے فرمایا: جامیاں! مل لیا اسلام!

مشرک بھی من وجہٍ موحد ہے، ایک عجیب نکتہ

ایک عجیب وغریب بات سنئے، کہ مشرک کسے کہتے ہیں، ظاہر ہے کہ مشرک اس شخص کو کہتے ہیں جو ایک خدا کے ساتھ ایک یا بہتوں کو شریک کرے۔ اب اس میں عجیب وغریب بات یہ ہے کہ مذکورہ تعریف کے مطابق مشرک بھی من وجہٍ موحد ہوجاتا ہے، بایں طور کہ جب مشرک ایک کو مانتا ہے تو ایک خدا تو ثابت ہوگیا، یعنی توحید پائی گئی۔ اب اگر کسی موحد سے مشرک کی بحث ہوجائے تو موحد کی کوئی ذمہ داری نہیں کہ وہ اپنی توحید کو ثابت کرتا

پھرے، کیوں کہ ایک خدا کو تو مشرک نے از خود ثابت کر دیا، بلکہ مشرک کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ بقیہ خداؤں کو ثابت کرے۔

منطق کا غلبہ

ایک مرتبہ زمانۂ طالب علمی میں میں (استاذ محترم) نے کشمیر میں بس کا سفر کیا، مجھے آگے ڈرائیور کے پاس والی سیٹ ملی، وہاں لکھا تھا ''سامنے کی سیٹ پر سونا منع ہے''۔ میں وہاں بیٹھا تو مجھے نیند آ گئی، ڈرائیور وغیرہ نے مجھے متنبہ کیا کہ یہاں لکھا ہے کہ سونا منع ہے پھر بھی تم سو رہے ہو! میرا دور طالب علمی کا تھا اور آپ لوگوں ہی کی طرح مجھ پر اس وقت منطق کا غلبہ تھا، بات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا خوب آتا تھا۔ میں نے برجستہ کہا: تمھارا یہ جملہ ہی غلط ہے۔ یہاں لکھا ہونا چاہیے کہ ''سامنے کی سیٹ پر بیٹھنا منع ہے''، کیوں کہ سونا ایک غیر اختیاری چیز ہے، اور بیٹھنا ایک اختیاری چیز ہے، یہ تو ایک عام سی بات ہے کہ منع اختیاری چیز سے کیا جاتا ہے، نہ کہ غیر اختیاری چیز سے۔ وہ لوگ بھی دیکھتے رہ گئے کہ کس شخص سے پالا پڑا ہے۔

تنقید اور تنقیص کا فرق

آج کل اگر لوگوں کے مابین تنقید کا لفظ بہت مستعمل ہے، حالاں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ تنقید ہوتی ہی نہیں، لوگوں میں تنقید اور تنقیص کا فرق معدوم ہے۔ تنقید کہتے ہیں علمی تجزیے کو اور تنقیص کہتے ہیں مقابلاتی تجزیے کو۔ آج کل لوگ تنقیص کو بھی تنقید کہہ دیتے ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ جو شافعی مسلک کے ترجمان کی حیثیت رکھتے تھے، ان کے ہم عصروں میں علامہ بدرِ عینیؒ آتے ہیں، جو کہ احناف کے ترجمان تھے۔ دونوں نے بخاری کی معرکۃ الآراء شرح لکھیں ہیں، ابن حجرؒ نے فتح الباری لکھی، جب کہ بدرِ عینیؒ نے عمدۃ القاری تحریر کی۔ لیکن ایک دوسرے پر تنقید کرنے سے نہیں چوکے ہیں۔ چنانچہ کہیں تنقید جارحانہ ہوتی ہے تو کہیں شارحانہ، ان کی جانب سے جب شارحانہ تنقید ہوتی ہے تو بحث میں لطف آتا ہے، لیکن اگر تنقید جارحانہ ہو تو دل میں کانٹے چبھنے لگتے ہیں۔

احسان فقیر پر یا خود اپنے آپ پر؟

آج کل یہ بات بہت عام ہوگئی ہے کہ کوئی بھی شخص فقیر یا سائل کو دو چار روپے دے دے گا اور اسے فقیر پر احسان شمار کرے گا، نیز محفلوں میں اسے بتا تا بھی پھرے گا کہ میں نے فلاں مجبور کی مدد کی، میں نے فلاں پر احسان کیا۔ لیکن اگر ذرا غور سے سوچیں تو یہ شخص فقیر پر نہیں، بلکہ خود اپنے آپ پر احسان کرتا ہے، بایں طور کہ جب یہ فقیر کو دیکھتا ہے، تو اس کے دل میں ایک جذبہ سا اٹھتا ہے کہ اسے کچھ دینا چاہیے، اس کا دل بے چین ہو جا تا ہے، چنانچہ اب وہ اس فقیر کی ضرورت کی وجہ سے نہیں، بلکہ اپنے بے چین دل کو قرار اور سکون پہنچانے کے لیے کچھ روپے دیتا ہے، تو اب بتایئے کہ اس نے فقیر پر احسان کیا، یا خود اپنے آپ پر احسان کیا؟

کمال کمال نہیں، خاصہ کمال کمال ہے

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نور اللہ مرقدہٗ نے ایک علمی نکتہ بیان فرمایا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ کمال تک پہنچنا فی نفسہٖ ایک کمال ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ ایسی بات نہیں، بلکہ خاصہ کمال ایک کمال ہے، مثلاً کلی کو دیکھئے، یہ اپنے کمال کو پہنچتی ہے تو پھول بن جاتی ہے، تو لوگوں کے مطابق یہ ایک کمال ہے، لیکن غور کیا جائے تو یہ کوئی کمال نہیں، بلکہ اس کمال کو جو خاصہ ہے یعنی خوشبو وہ اصل کمال ہے۔ معلوم ہوا کہ کمال کمال نہیں، بلکہ خاصہ کمال کمال ہے۔

خیال رہے کہ بعض جگہوں پر کمال کا خاصہ مقصود ہوتا ہے، اور بعض جگہوں پر کمال ہی مقصود ہوتا ہے، مثلاً علم کا خاصہ کبر ہے، تو مقصود کبر ہرگز نہیں، بلکہ علم کا جو کمال ہے یعنی تواضع وہی اصل مقصود ہے۔ شیطان علم کے خاصہ کو تو پہنچ گیا، لیکن اسے علم کا کمال نہ مل پایا۔ ایک عالم کو ہمیشہ متواضع ہی ہونا چاہیے، تاکہ لوگ اس سے بھرپور استفادہ کرسکیں، جیسا کہ ایک آم کا پیڑ ہے، جب تک اس پر آم نہیں آتے وہ تنا ہوا رہتا ہے، لیکن جب آم آجاتے ہیں تو جھک جاتا ہے، اسی طریقے سے عالم کو بھی ہونا چاہیے کہ جب علم آ گیا تو اب جھک جائے۔

یہ مولانا کے درسی افادات کی ایک ہلکی سی جھلک ہے، اللہ نے چاہا تو ان قیمتی جواہر پاروں کو کتابی شکل دی جائے گی۔

بالآخر ۷ر نومبر ۲۰۱۹ء کو وقت موعود پر مولانا دارِ فنا سے دارِ بقا کی جانب کوچ کر گئے اور ہمیشہ کے لیے اُس مزار میں آسودۂ خواب ہو گئے جو اُس شخصیت کی جانب منسوب جن کے علوم کی ترجمانی و تشریح مولانا کا طرۂ امتیاز تھی۔ اللہ تعالیٰ استاذ محترم کو جنّت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ آمین